۱۳

مجالس خدام الاحمدیہ کیلئے بعض ہدایات

(فرمودہ ۸؍اپریل ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مَیں نے گزشتہ جمعہ میں نوجوانوں کی تنظیم کے متعلق خطبہ پڑھا تھا آج اسی سلسلہ میں بعض اَور باتیں کہنا چاہتا ہوں لیکن میرے ان خطبات کے یہ معنے نہیں کہ کسی خاص عمر کے آدمی خصوصیت کے ساتھ میرے مخاطب ہیں کیونکہ گو یہ صحیح ہے کہ نوجوان کی اصطلاح ایک خاص عمر کے آدمی کیلئے بولی جاتی ہے لیکن حقیقتاً انسان نوجوان عمر کے لحاظ سے نہیں بلکہ دل کے لحاظ سے ہوتا ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص جس کی عمر اٹھارہ سے چالیس سال ہے ضرور نوجوان ہو۔ بالکل ممکن ہے کہ اِس عمر کا انسان بوڑھا ہو اور اپنی طاقتوں کو ضائع کر چکا ہو اور یہ ضروری نہیں کہ چالیس سال سے زیادہ عمر کا آدمی ضرور ادھیڑ یا بوڑھا ہو۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص بظاہر بوڑھا یا ادھیڑ عمر کا نظر آتا ہو لیکن اس کا دل خدا تعالیٰ کے سلسلہ کی خدمت کیلئے نوجوانوں سے بھی زیادہ نوجوان ہو۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ ایک دن بھی آپؐ پر بھی ایسا آیا جب آپ بوڑھے تھے ۔ چالیس سال کی عمر میں جب آپ پر وحی نازل ہوئی آپ کے اندر جو جوانی تھی ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس سے بہت زیادہ جوان آپ وفات کے وقت تھے کیونکہ ایمان انسان کی جوانی کو بڑھاتا ہے اور حوصلوں کو بلند کرتا ہے۔

پس گو ظاہری الفاظ میں میرے مخاطب نوجوان ہیں مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ جو لوگ عمر کے لحاظ سے اس حد سے آگے گزر چکے ہیں جسے جوانی کی حد کہا جاتا ہے، وہ میرے مخاطب نہیں ہیں۔ جن لوگوں کے دل جوان ہیں اور اپنے اندر سلسلہ کی خدمت کیلئے ایک جوش پاتے ہیں، ان کی عمر خواہ کتنی بھی کیوں نہ ہو وہ میرے ویسے ہی مخاطب ہیں جیسے چالیس سال سے کم عمر کے لوگ۔

مولوی عبداللہ صاحب غزنوی ایک مشہور بزرگ پنجاب میں گزرے ہیں۔ وہ دراصل رہنے والے تو افغانستان کے تھے مگر حکومتِ افغانستان نے بوجہ ان کے اہل حدیث خیالات کے اُن کو مُلک سے نکال دیا تھا ان کی اولاد انہی کی پیشگوئی کے مطابق ہمارے سلسلہ کی شدید مخالف ہے مگر ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے متعلق بہت سے رؤیا اور کشوف ہوئے تھے۔ گو وہ آپ کے دعویٰ سے قبل ہی فوت ہو گئے اور سلسلہ میں داخل نہ ہو سکے۔ ان کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی ضعیف ہو چکے تھے اور مرض الموت میں مبتلا تھے کہ کوئی شخص اُن کے پاس آیا، اُن کی بزرگی کی وجہ سے لوگ ان سے اپنے ذاتی معاملات میں بھی مشورہ لے لیا کرتے تھے، جیسے آج ہم سے بھی لے لیتے ہیں۔ کوئی مرید ان کے پاس آیا اور کہا کہ میری لڑکی جوان ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی کا کوئی انتظام ہو جائے۔ مولوی صاحب کے ساتھی جو اُس وقت وہاں موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے چارپائی پر لیٹے لیٹے ہی فرمایا کہ میرے ساتھ ہی شادی کر دو۔ بعض لوگ اس واقعہ کو ایک ہنسانے والا واقعہ خیال کرتے ہیں مگر یہ واقعہ ایسا نہیں ہر شخص اپنی نیت کے مطابق پھل پاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا دلی جوش ان کو یہ خیال بھی نہیں آنے دیتا تھا کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ باوجودیکہ ان کا جسم جواب دے چکا تھا مگر ایمان کی وجہ سے دین کی خدمت کیلئے جو روحانی قوت وہ اپنے اندر محسوس کرتے تھے اس کے ماتحت ان کو کبھی یہ خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ایک صحابی کا واقعہ بھی اس سے مشابہ ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ ہی ایک ایسے شخص ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کہلاتے ہیں۔ ان کے سِوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خادم نہیں رکھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ انہیں آپ کے پاس لائیں اور

عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللہ! مرد تو اور طرح خدمت کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں مگر میں عورت ہوں اَور تو کچھ نہیں کر سکتی ، یہ میرا لڑکا ہے جسے میں آپ کی خدمت کیلئے پیش کرتی ہوں ، یہ آپ کی خدمت کرے گا۔[1] حضرت انسؓ کی عمر اُس وقت دس بارہ سال کی تھی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کی خدمت کرتے رہے۔ان کی وفات ایک سَو دس یا ایک سَو بیس سال کی عمر میں ہوئی۔[2] یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ اُس زمانہ میں پیدائش کی تاریخیں عام طور پر یاد نہیں رکھی جاتی تھیں۔مسلمان چونکہ بہت بڑے مؤرخ تھے اس لئے وفات کی تاریخیں تو پوری طرح محفوظ ہو گئیں مگر پیدائش کی تاریخیں اسلام سے پہلے زمانہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے محفوظ نہیں ہو سکیں۔ حضرت انسؓ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو بعض لوگ ان کی عیادت کیلئے گئے اور کہا کہ آپ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور خادم ہیں ہمیں کوئی خدمت بتائیے۔انہوں نے جواب دیا کہ آپ لوگ میری کیا خدمت کر سکتے ہیں ہاں اگر ہو سکے تو میری شادی کرا دیں۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص بغیر شادی کے فوت ہوتا ہے وہ بطّال ہے، بطّال اسے کہتے ہیں جس کی عمر ضائع گئی، حضرت انسؓ کی بیوی ان سے کچھ ہی عرصہ پہلے فوت ہوئی تھیں اس لئے انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اگر میری شادی کرا دو تو میں بطّال نہ کہلاؤں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب تو یہ تھا کہ جو شخص اپنی زندگی بھر شادی نہیں کرتا اور اس کی اولاد نہیں ہوتی وہ بطّال ہے کیونکہ اسلام نے رہبانیت کو ناجائز رکھا ہے مگر حضرت انسؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لفظی بات کو پورا کرنے کیلئے یہ بھی پسند نہ کیا کہ چند دن کی عمر بھی بطّال گزاریں حالانکہ اُس وقت وہ عمر کی اس حد سے گزر چکے تھے جس میں بچے پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی دراصل ان کے دلی جوش کا نتیجہ تھا۔دین کی خدمت کا جو احساس ان کے دل میں تھا اس کے ماتحت اگرچہ جسم جواب دے چکا تھا مگر کام کی اُمنگ روح میں موجود تھی اور اسی کے ماتحت وہ بعض اوقات یہ بھول جاتے تھے کہ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں یا ہمارے جسم اب جواب دے چکے ہیں۔

پس عمر کوئی چیز نہیں بلکہ درحقیقت انسان کی اُمنگ اور حوصلہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے حضور اسے مقرب بنا دیتا ہے اور جو اس کی کوششوں کو ہر زمانہ میں جا کر نوجوانوں سے آگے بڑھا دیتا ہے۔

پس ان خطبات میں اگرچہ بظاہر میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کی عمر چالیس سال سے کم ہے مگر حقیقتاً وہ لوگ بھی میرے مخاطب ہیں جن کی عمر خواہ کتنی ہو مگر خدمتِ دین میں وہ دوسروں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ظاہری نوجوانوں سے زیادہ ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ کیونکہ نوجوانوں کے تو جسم بھی کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں مگر ان کے جسم جواب دے چکے ہوتے ہیں اور ان کی مثال اُن غرباء کی ہوتی ہے جن کے پاس دولت نہیں ہوتی مگر چندوں کے وقت وہ دوسروں سے پیچھے رہنا گوارا نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں اشارۃً ایک ایسے واقعہ کا ذکر آتا ہے جس کی تفصیلات احادیث سے یوں معلوم ہوتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی تحریک کی۔ ایک صحابی مجلس سے اُٹھے اور جا کر ایک کنویں پر کچھ کام کیا اور وہاں سے کچھ جَو مزدوری کے طور پر حاصل کر کے لائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ مختلف لوگ چندے لا رہے تھے، کوئی سینکڑوں اور کوئی ہزاروں روپے مگر انہی میں یہ صحابی بھی وہ جَو لے کر آئے جو دونوں ہاتھوں میں تھے اور لا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس پر منافق ہنسے اور کہا کہ ان جوؤں سے دنیا فتح کی جائے گی۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ جَو خدا تعالیٰ کے نزدیک ہزاروں روپوں سے زیادہ تھے کیونکہ اس کے پاس کچھ نہیں تھا مگر اس نے خیال کیا کہ میں دوسروں سے پیچھے کیوں رہوں۔ اپنے جسم سے کام لیا، مزدوری کی اور جو لا کر حاضر کر دیا۔ یہی حال اُن بوڑھوں کا ہے جن کے جسم اگرچہ جواب دے چکے ہیں مگر دل جوان ہیں اور وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ثواب میں پیچھے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ جوان ہی ہیں بلکہ جوانوں سے زیادہ ثواب کے مستحق ہیں۔ جس طرح غریب لوگ باوجود تھوڑی رقم دینے کے کئی زیادہ دینے والوں سے زیادہ ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔

اِس تمہید کے بعد میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں اور نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی حالت کو سُدھارنے اور دین کی خدمت کیلئے تقویٰ اور سعی سے کام لینے کی طرف توجہ کریں۔ آج اسلام غربت میں ہے اور اگر آج کوئی جماعت اسے قائم نہ کرے تو تھوڑے عرصہ میں کوئی اِس کا نام لیوا بھی باقی نہ رہے گا۔ ہندو اور عیسائی تو اسے مٹانے میں لگے ہی ہوئے ہیں

مگر مسلمان کہلانے والے بھی اصلاحات کے نام سے اس کی تعلیم کو مٹانے کیلئے طرح طرح کی کوششیں کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کو جو قرآن کریم میں ہے، بدل دیں ایسے کئی بڑے بڑے مسلمان کہلانے والے موجود ہیں اور دوسرے مسلمان ان پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی ترقی کے سامان کر رہے ہیں حالانکہ یہ ترقی نہیں بلکہ تنزّل ہے اور ذلّت ہے۔ ایسے وقت میں ضرورت ہے ایک ایسی جماعت کی جو اسلام کی تعلیم کو دنیا میں پھر قائم کرے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے۔ ظاہری حالات کے لحاظ سے آپ کو ایسے وقت میں بھیجا گیا ہے کہ دنیا میں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دعویٰ عقل کے مطابق ہے۔ اسلام جس صورت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے مٹ چکا ہے اور ہر دنیا دار یہ سمجھتا ہے کہ پھر اسی صورت میں قائم نہیں کیا جاسکتا۔ آج ایک مسلمان بھی ایسا نہیں ملے گا جو دیانت داری سے یہ سمجھتا ہو کہ اسلامی پردہ پھر دنیا میں قائم کیا جاسکتا ہے اور غیر تو ایک منٹ کیلئے بھی یہ خیال دل میں نہیں لاسکتے۔ خود مجھے ایک بڑے سرکاری افسر نے نہایت ہی حیرت سے پوچھا کہ کیا آپ بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ اسلامی پردہ اب دنیا میں قائم ہوسکتا ہے۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ میں تو آپ کو عقلمند سمجھتا ہوں کیا آپ بھی ایسی جہالت کی بات کے قائل ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ پردے سے زیادہ اہم امور ہیں جن میں تبدیلی کو ناممکن سمجھا جاتا تھا مگر ان میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ میں نے اس افسر سے کہا کہ آپ تو تاریخ دان ہیں کیا آپ کو ایسے امور معلوم ہیں یا نہیں کہ جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی مگر آخر کار ہوگئی۔ اُس نے کہا ہاں ایسے امور تو ہیں۔ میں نے کہا کہ جب مثالیں موجود ہیں تو باقی صرف یقین کی بات رہ جاتی ہے۔ مجھے یہ یقین ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا اور آپ سمجھتے ہیں نہیں ہوسکتا۔ آج سے ۲۵ سال قبل کون کہہ سکتا تھا کہ یورپ میں ڈیما کریسی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آج سے ۲۵ سال قبل یہ سمجھا جاتا تھا کہ تمام بادشاہتیں مٹ کر ان کی جگہ جمہوری سلطنتیں قائم ہو جائیں گی مگر آج عَلَی الْاِعلان جرمنی، اٹلی اور سپین میں ڈیما کریسی کی ہنسی اُڑائی جارہی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کیسے بیوقوف وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ڈیما کریسی کے ذریعہ کسی ملک کی ترقی ہوسکتی ہے۔ سارے افراد کہاں اتنے عقلمند ہوسکتے ہیں کہ ملکی ترقی کے وسائل کو سمجھ سکیں۔ صرف

چند لوگ ہی ایسے ہوسکتے ہیں اور ان کے پیچھے چل کر ہی ترقی ہوسکتی ہے۔ انگلستان کے سیاستدانوں کی آج سے صرف ۲۵ سال قبل کی کتابیں پڑھو اُن میں اس خیال کا شائبہ بھی نہیں ملے گا جو آج دنیا میں قائم اور رائج ہے۔ ان کتابوں میں یہی ہے کہ ہم نے دنیا میں ڈیماکریسی کے اصول کو قائم کیا ہے اور آج ہم اس میں کامیاب ہوگئے ہیں اور دنیا میں یہی اصول غالب ہے۔ مگر آج ان میں سے کئی ایک کی تقریریں بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں انہوں نے کہا ہے کہ آج سوائے انگلستان کے ڈیماکریسی کے اصول کہیں بھی قائم نہیں۔ کتنا بڑا فرق ہے، کتنا قلیل زمانہ اور کتنا وسیع تغیر ہے۔ پس اگر دنیا کے لوگوں کی کوششوں سے دنیا کے خیالات تبدیل ہوسکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے کیوں نہیں ہوسکتے۔ فرق صرف یقین اور ایمان کا ہے۔

لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے خیالات میں تبدیلی کا ذریعہ یونیورسٹیاں اور بڑے بڑے بارسوخ لیڈر ہیں اور وہی دنیا کے خیالات کو بدل سکتے ہیں مگر ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مدد سے یہ تغیر ہوسکتے ہیں۔ تغیرات کے ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسلام کے مخالف کہتے ہیں کہ دنیا چونکہ ان باتوں کو ماننے کیلئے تیار نہیں اس لئے یہ تبدیلی نہیں ہوسکتی مگر ہم کہتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ اس تبدیلی کا فیصلہ کر چکا ہے اس لئے یہ ہو کر رہے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا وہ اِس زمانہ میں غیر ممکن نظر آتا ہے۔ آج سارے کے سارے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اپنی اصلی صورت میں دوبارہ قائم نہیں ہوسکتا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے کہ اسی صورت میں اسلام دوبارہ قائم کیا جائے گا۔ صرف اسلام کا نام قائم نہیں ہوگا بلکہ اس کی صورت بھی وہی ہوگی۔ آج ترکی اسلام کی تعلیم میں تمام تبدیلیوں کے بعد یہ کہتا ہے کہ مسلمان کامیاب ہوگئے، ایران تمام تغیرات کے باوجود مسلمانوں کی کامیابی کا دعویٰ کرتا ہے، ان ممالک میں سُود قائم کیا گیا ہے، پردہ اُڑا دیا گیا ہے، قرآن کریم کو عربی میں پڑھنے سے روکا جاتا ہے، عربی کریکٹر اور حروف کو مٹانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، ایشیائی خصوصاً عربی لباس کو مٹانے کی پوری کوشش کی جاتی ہے اور ان سب باتوں کے باوجود کہا یہ جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہماری فتح اسلام کی فتح ہے۔ حالانکہ ان ممالک کی فتح اسلام کی فتح نہیں کہی جاسکتی۔ انگریزوں کو اگر فتح ہو تو یہ کسی مذہب کی فتح نہیں بلکہ

انگریز قوم کی فتح سمجھی جائے گی کیونکہ انگریز کسی مذہب کا نام نہیں مگر اسلام مذہب کا نام ہے۔ اگر وہ قائم نہیں ہوتا تو اسلام کی بہرحال شکست ہے اور فتح ان لوگوں کی ہوگی جو اپنے ملک میں ایک نیا نظام قائم کریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کیلئے ایسی فتح کے مدعی نہیں۔ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ پھر اسلام کو فتح حاصل ہوگی اور ہم نے یہ فتح حاصل کرنی ہے مگر ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کام کی راہ میں کس قدر مشکلات حائل ہیں۔ ایک ایک قدم بڑھانا مشکل ہو رہا ہے۔ بیرونی مخالفتوں کے علاوہ جماعت میں لوگوں کے اندر وسوسے پیدا ہو رہے ہیں۔ کئی منافق ہیں جو فتنے پیدا کرتے رہتے ہیں۔ میں نے تحریک کی کہ لوگوں کو نبوت کے طریق پر لانا چاہئے اور اس پر میں یہ اعتراض سن رہا ہوں کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس طریق پر نہیں چلاتے تھے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ورثہ پر کوئی زور نہیں دیا اور جماعت میں اسے قائم نہیں کیا، تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ ہمیشہ کیلئے ورثہ کے حکم کو مٹا دینا چاہئے۔ اسی طرح داڑھی رکھنے کا مسئلہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو نصیحت کر دیتے ہیں جسے ہمارے ساتھ محبت ہوگی وہ خود رکھے گا۔ ہماری داڑھی ہے اور جو ہمارے ساتھ محبت کرے گا وہ خود رکھ لے گا۔ تو کیا اِس کے یہ معنے ہیں کہ اب ہمیں داڑھی رکھنے پر کوئی زور نہیں دینا چاہئے۔ میرے پیش کردہ اصول پر اگر اعتراض کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ سوائے ان چند عقائد کے جن کے پھیلانے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں زور دیا گیا اور کسی بات کو جاری کرنا جائز نہیں حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس پیشگوئی کے ماتحت کہ جماعت کی ترقی آہستہ آہستہ ہوگی، ان باتوں کو بعد میں آنے والوں کیلئے چھوڑ دیا کیونکہ اُس وقت جماعت اتنی پھیلی ہوئی نہیں تھی اور کسی نظام کے ذریعہ اسلام کی تعلیم پر عمل کرانا مشکل تھا۔ پس اگر اس اصل کو مان لیا جائے کہ جس بات کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جبر سے کام نہیں لیا ہمیں بھی زور نہیں دینا چاہئے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ جماعت احمدیہ کیلئے قرآن کریم پر عمل کرنا ضروری نہیں لیکن اگر یہ بات درست نہیں تو ماننا پڑے گا کہ ہر مناسب موقع پر اس کیلئے کوشش کی جاسکتی ہے۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ اسلام کی تعلیم کو قائم کرنے کیلئے پوری کوشش کریں خواہ ۵۰ سال کا عرصہ کیوں نہ گزر چکا ہو اور معترض کا مقام یہ ہے کہ

لوگ آزاد ہیں جس طرح چاہیں کریں۔ گویا اس کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اسلام کا قیام اصل غرض نہیں، اصل غرض صرف یہ ہے کہ احمدی کہلایا جائے اور میرا یہ کہ اصل چیز صحیح اسلامی تعلیم کا قیام ہے صرف منہ سے احمدی کہلانا کوئی چیز نہیں۔

اس میں شُبہ نہیں کہ دُنیوی نقطۂ نگاہ سے اس کا اصول صحیح سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اسلامی تعلیم کا قیام ناممکن ہے مگر میں اسے بالکل ممکن سمجھتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ یہ ہو کر رہے گا۔ وہ اپنے ایمان کے مطابق بات کرتا اور مایوسی کا اظہار کرتا ہے اور میں اپنے ایمان کے مطابق امید پر قائم ہوں اور دراصل مقابلہ اس کی مایوسی اور میرے ایمان کا ہے۔ ایک طرف اس کی مایوسی ہے جو کہتی ہے کہ چھوڑ دو اِس کوشش کو، اس میں کامیابی نہیں اور دوسری طرف میرا ایمان کہتا ہے کہ یہ ہوسکتا ہے اور ضرور ہو کر رہے گا اس لئے ہمیں جلدی اسے کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تا اس کا ثواب ہمیں ہی ملے، دوسروں کو کیوں ملے۔ بعد میں آنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ ثواب حاصل کرنے کے اور سامان پیدا کر دے گا اور اِس جدوجہد میں جسے میں شروع کرنا چاہتا ہوں کامیابی کیلئے بہترین وجود نوجوان ہی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ورثہ کو ہی لے لو۔ والدین کی وفات کے بعد ورثہ انہی کے ہاتھ میں آنا ہے اور وہی اس کو تقسیم کرنے والے ہوں گے۔ وہ اگر چاہیں تو اپنی بہنوں اور ماؤں کو حصہ دیں اور چاہیں تو نہ دیں۔ قانون ان پر کوئی جبر نہیں کرتا بلکہ قانون تھوڑا سا جبر اس رنگ میں کرتا ہے کہ وہ حصہ نہ دیں۔ اگر ہمارے نوجوان اس بات کیلئے تیار ہو جائیں اور کہیں کہ خواہ ہمارے لئے کچھ بچے یا نہ بچے اور خواہ ہم غریب ہو جائیں ہم ورثہ کو اسلام کی تعلیم کے مطابق ہی تقسیم کریں گے تو ہر شخص یہ تسلیم کرے گا کہ یہ جماعت ہے جس نے اسلام کی تعلیم کو عملاً دنیا میں قائم کر دیا ہے۔ پس اگر ہمارے نوجوان اصلاح کرلیں اور اقرار کرلیں کہ جس طرح بھی ہوا اسلام کی تعلیم کو قائم کریں گے تو مایوس لوگ خود بخود اپنی شکست کا اقرار کرلیں گے کیونکہ جب کوئی واقعہ ہو جائے تو پھر اعتراض خود بخود مٹ جاتے ہیں۔

جو لوگ بھی خدا تعالیٰ کے دین کی مدد کرنے والے ہوں گے خدا تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ وہی کامیاب ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر کرامات الصادقین میں ہے جس کا پہلا مصرعہ آپ فرماتے ہیں کہ الہامی ہے اور وہ یہ شعر ہے ؎

وَ اِنِّیْ اَنَا الرَّحْمٰنُ نَاصِرُ حِزْبِہٖ
وَ مَنْ کَانَ مِنْ حِزْبِیْ فَیُعْلٰی وَ یُنْصَرُ[4]

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں رحمٰن ہوں جس کی دین اور بخشش اور رحمت سب پر وسیع ہے اور کافر ومؤمن میں کوئی فرق نہیں کرتی اور میرے دین کے جو مخالف ہیں میری رحمت ان کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ دیکھو سانس لینے کیلئے ہوا اور پانی اور روشنی کا سامان میں نے ان کیلئے بھی جو میرے دین کی مخالفت کرتے ہیں، ویسا ہی کیا ہؤا ہے جیسا مؤمنوں کیلئے کیونکہ میں رحمان ہوں۔ پھر یہ کوئی کیونکر خیال کرسکتا ہے کہ جو میرا ہو جائے میں اسے چھوڑ دوں گا اور اس کی مدد پر کمربستہ نہیں ہوں گا۔ گویا پہلے مصرعہ کا نتیجہ آگے بیان کیا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے حزب ہو جاتے ہیں اُنہیں غلبہ دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔ پس جو بھی اللہ تعالیٰ کی جماعت میں داخل ہو جائے اُسے مدد ملنا یقینی ہے کیونکہ جو رحمٰن اپنے دین کے مخالفوں کو بھی فیض سے محروم نہیں رکھتا یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو اس کا ہو جائے وہ اس کی مدد نہ کرے۔ وہ ماں جو غیر کے بچہ سے محبت کرتی اور پالتی ہے اپنے بچے کے ساتھ اس کی محبت کا اندازہ کرنا بالکل آسان ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں غیر سے بھی حُسنِ سلوک کرتا ہوں۔ میرا سورج ہے وہ تم کو ہی نہیں بلکہ ہندوؤں اور سکھوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے بلکہ یہ تو پھر بھی خدا کے کسی نہ کسی رنگ میں قائل ہیں، دہریوں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے بادل آتے ہیں مگر کیا کبھی تم نے دیکھا کہ وہ مؤمن کے کھیت کو تو سیراب کریں اور غیر مؤمنوں کے کھیتوں کو چھوڑ دیں۔ کیا کبھی یہ ہؤا ہے کہ اس کی ٹھنڈی ہوائیں تمہارے لئے تو ٹھنڈی اور آرام پہنچانے والی ہوں مگر کافروں کیلئے گرم لُو بن جائیں۔ وہ اسی طرح ان کو بھی لذت پہنچاتی ہیں جس طرح تمہیں۔ تو جو رحمٰن خدا ہے اور جس کے فضلوں کا سلسلہ اتنا وسیع ہے، کیا تم خیال کرتے ہو کہ جو اُس کا ہو جائے وہ اُسے چھوڑ دے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور الہام ہے جو دراصل پنجابی کا ایک پُرانا شعر ہے مگر آپ پر بھی الہاماً نازل ہؤا ہے اور وہ یہ کہ

جے تُوں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو[5]

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو اُسی کا بنا دیتا ہے اور ذرّہ ذرّہ کو

اُس کی تائید میں لگا دیتا ہے۔ شرارتیں بھی ہوتی ہیں، مخالفتیں بھی ہوتی ہیں، فتنے بھی اُٹھتے ہیں مگر اُسے مٹانے کیلئے نہیں بلکہ اس کی عزت اور عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے۔ ایک شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تباہ نہیں ہوا۔ تو لوگ کہتے ہیں کہ تم پر کوئی آفت تو آئی نہیں تم تباہ نہ ہوئے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ مگر ایک کو لوگ سمندر میں پھینکتے ہیں، آگ میں ڈالتے ہیں مگر وہ نہیں مَرتا تو دوسرے اس سے لازماً مرعوب ہوتے اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کوئی غیر معمولی آدمی ہے۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو آگ میں نہیں جلے۔ اور ہم سب کا یہاں موجود ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم آگ میں نہیں جلائے گئے مگر کیا ہمارا نہ جلنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نہ جلنا ایک ہی بات ہے۔ کیا اگر کوئی کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تھا تو تم بھی اس کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ ہمیں بھی نہیں جلایا۔ ظاہر ہے کہ اِن دونوں باتوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ تم کو آگ میں ڈالا ہی نہیں گیا مگر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اور پھر وہ نہیں جلے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر حملے ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو تباہی سے بچاتا ہے تا وہ کہہ سکیں کہ ان کو تباہ کرنے کی کوششیں کی گئیں مگر وہ تباہ ہوئے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعویٰ کہ وہ آگ میں نہیں جلے ان کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے مگر تمہارا یہ کہنا کہ تم آگ میں نہیں جلے ایک پاگل کی بڑ سمجھی جائے گی کیونکہ تمہیں جلانے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کیلئے بادشاہ اور رعایا سب نے اکٹھے ہو کر کوشش کی اور آپ کو آگ میں ڈال کر جلانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل کر کے آگ کو بُجھا دیا اور ایک ایسا نشان ظاہر کیا جس سے سب مخالف مرعوب ہو گئے اور انہوں نے اپنا ارادہ ہی چھوڑ دیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تباہ کرنے کی کوششیں کی گئیں مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھا اور یہ آخری غلبہ ہی خدا تعالیٰ کا نشان ہوتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو وہ عظمت اور شان حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں اور یہ مقام کسی سے مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو دعوت دیتا ہے کہ وہ آئے اور اسے حاصل کرے۔

پس یہ خیال مت کرو کہ یہ مقام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام،

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے مخصوص ہے۔ نبوت اَور چیز ہے اور یہ مقام اَور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید حاصل کرنے کیلئے نبوت شرط نہیں بلکہ یہ کامل مؤمن کو حاصل ہوسکتی ہے۔ دیکھو حضرت امام حسینؓ نبی نہ تھے اور بظاہر ان کو یزید کے مقابلہ میں شکست بھی اٹھانی پڑی۔ یزید اُس وقت تمام عالَمِ اسلامی کا بادشاہ تھا اور اُس وقت چونکہ تمام متمدن دنیا پر اسلامی حکومت تھی اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ وہ تمام دنیا کا بادشاہ تھا اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک دنیا پر اُس کے رشتہ داروں کی حکومت رہی اور اُس وقت منبروں پر حضرت علیؓ اور آپ کے خاندان کو گالیاں دی جاتی تھیں، یزید کو اتنی بڑی حکومت حاصل تھی کہ آجکل کسی کو حاصل نہیں۔ آج انگریزوں کی سلطنت بہت بڑی سمجھی جاتی ہے مگر ذرا مقابلہ تو کریں بنوامیہ کی حکومت سے جن کے خاندان کا ایک فرد یزید بھی تھا۔ انگریزوں کی حکومت کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ فرانس سے شروع ہو کر سپین، مراکو، الجزائر، طرابلس اور مصر سے ہوتی ہوئی عرب، ہندوستان، چین، افغانستان، ایران، روس کے ایشیائی حصوں پر ایک طرف اور دوسری طرف ایشیائے کوچک سے ہوتے ہوئے یورپ کے کئی جزائر تک یہ حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ اس قدر وسیع سلطنت آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ موجودہ زمانہ کی دس پندرہ سلطنتوں کو ملا کر اس کے برابر علاقہ بنتا ہے اور اتنی بڑی سلطنت کا ایک بادشاہ ہوتا تھا جن میں سے قریباً ہر ایک حضرت علیؓ اور آپ کے خاندان کو اپنا دشمن سمجھتا تھا اس لئے منبروں پر کھڑے ہو کر ان کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اُس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ ساری دنیا میں امام حسینؓ کی عزت پھر قائم ہوگی اور اُس وقت کوئی وہم بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یزید کو بھی لوگ گالیاں دیا کریں گے مگر آج نہ صرف تمام اس علاقہ میں جہاں امام حسینؓ کو گالیاں دی جاتی تھیں بلکہ دوسرے علاقوں میں بھی کیونکہ بعد میں اسلامی حکومت اور بھی وسیع ہوگئی تھی گو وہ ایک بادشاہ کے ماتحت نہ رہی سب جگہ یزید کو گالیاں دی جاتی ہیں اور حضرت امام حسینؓ کی عزت کی جاتی ہے۔ گو آپ نبی نہ تھے، صرف ایک برگزیدہ انسان تھے اور حق کی خاطر کھڑے ہوئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی دی۔ بظاہر دشمن یہ سمجھتا ہوگا کہ اُس نے آپ کو شہید کردیا مگر آج اگر یزید دنیا میں واپس آئے (اگرچہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں کہ مُردے دنیا میں واپس آئیں)

تو کیا تم میں سے کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ وہ یزید ہونے کو پسند کرے گا؟ جس دن حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے وہ کس قدر غرور اور فخر کے ساتھ اپنے آپ کو دیکھتا ہوگا اور اپنی کامیابی پر کس قدر نازاں ہوگا لیکن آج اگر اُسے اختیار دیا جائے کہ وہ امام حسینؓ کی جگہ کھڑا ہونا چاہتا ہے یا یزید کی جگہ تو وہ بغیر ایک لمحہ کے توقف کے کہہ اُٹھے گا کہ میں دس کروڑ دفعہ امام حسینؓ کی جگہ کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ اور اگر حضرت امام حسینؓ سے کہا جائے کہ وہ یزید کی جگہ ہونا پسند کریں گے یا اپنی جگہ؟ تو وہ بغیر کسی لمحہ کے توقّف کے کہہ اُٹھیں گے کہ دس کروڑ دفعہ اُسی جگہ پر جہاں وہ پہلے کھڑے ہوئے تھے۔ کسی اَور سے فیصلہ کرانے کی ضرورت نہیں اگر یزید خود آئے تو اُس کا اپنا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔

فرعون اپنے زمانۂ حکومت میں حضرت موسیٰ کو کیا سمجھتا ہوگا۔ وہ ہنستا اور کہتا تھا کہ یہ شخص پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے[٦] لیکن اگر آج فرعون کی روح دوبارہ دنیا میں لائی جائے تو بتاؤ کیا وہ اسی تخت پر بیٹھنا پسند کرے گا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ادنیٰ خادموں میں کھڑا ہونا۔ وہ بغیر ایک لمحہ کے سوچنے کے کہہ اٹھے گا کہ میں موسیٰ کے ادنیٰ ترین خادموں میں کھڑا ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن لوگوں نے پھانسی دی وہ افسر اور وہ مجسٹریٹ جس نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ شخص حکومت کا مخالف اور لائقِ تعزیر ہے اور وہ علماء جنہوں نے یہ کہا کہ یہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، اگر آج انہیں دوبارہ دنیا میں لایا جائے اور پوچھا جائے کہ بقول ان کے وہ ذلیل ماچھی جو اُس وقت حضرت عیسیٰ کے ساتھ تھے، ان کے ساتھ کھڑا ہونا وہ زیادہ پسند کریں گے یا اس بات کو کہ ان کو روم کا شہنشاہ بنا دیا جائے۔ تو وہ ایک منٹ کیلئے بھی غور کئے بغیر کہہ اُٹھیں گے کہ وہ ان ماچھیوں کی رفاقت کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ آج پیٹر اور یعقوب کے نام پر کروڑوں عیسائی جان دینے کیلئے تیار ہیں مگر اُس زمانہ کے گورنروں اور ڈپٹی کمشنروں کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

پس تم میں سے بھی جو حزبُ اللہ میں اپنے آپ کو شامل کرلے گا اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کی ویسی ہی مدد کرے گی۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ گھبرا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حکومت کے

بعض مجسٹریٹ جماعت کے خلاف بہت بُرے ریمارکس کرتے ہیں مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے ہی ریمارکس حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے زمانہ میں ہوتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسی باتیں کہی جاتی تھیں لیکن انہی بادشاہوں اور گورنروں اور افسروں کو اگر سَو دوسَو سال بعد دنیا میں لایا جائے تو یہی کہیں گے کہ وہ باتیں سب جھوٹ تھیں اور ہمیں اس سلسلہ کی ادنیٰ خدمت ہی زیادہ پسند ہے۔ جھوٹ خواہ کسی بادشاہ کی زبان سے نکلے یا وزیر کی زبان سے، خواہ کسی وائسرائے کی زبان سے نکلے یا گورنر کی زبان سے آخر جھوٹ ہے اور جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ظلم کبھی کسی کو عزت نہیں دے سکتا اس لئے اگر تم اپنے اندر سے ظلم کو نکال دو اور حزبُ اللہ میں داخل ہو جاؤ تو تمہیں کوئی خفیہ تدبیریں اور منصوبے جیسے آج بعض حکام کی مدد سے کئے جا رہے ہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ سب جھاگ ہے اور جھاگ ہمیشہ مٹ جاتی ہے اور پانی قائم رہتا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ تم حزبُ اللہ بن جاؤ۔ اسلام اور اللہ تعالیٰ کی محبت، نیکی، سچائی، ہمت اپنے دلوں میں پیدا کرلو، دنیا کی بہتری کی کوشش میں لگ جاؤ اور بنی نوع کی خدمت کا شوق اپنے دلوں میں پیدا کرو، اسلام کا کامل نمونہ بن جاؤ پھر خواہ دنیا تمہیں سانپ اور بچھو بلکہ پاخانہ اور پیشاب سے بھی بدتر سمجھے تم کامیاب ہوگے اور خواہ کتنی طاقتور حکومتیں تمہیں مٹانا چاہیں وہ کامیاب نہیں ہوسکیں گے اور تم جو آج اس قدر کمزور سمجھے جاتے ہو تم ہی دنیا کے روحانی بادشاہ ہوگے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم کو دنیا کی بادشاہت مل جائے گی بلکہ میں تو یہ بھی نہیں کہتا کہ تم تحصیلدار بن جاؤ گے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ میں یہ بھی نہیں کہتا تم ایک کانسٹیبل ہی بن جاؤ گے۔ ظاہری حیثیت خواہ تمہاری چپڑاسی سے بھی بدتر ہو مگر دنیا پر قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ تم کو بادشاہوں سے بڑا اور تم پر ظلم کرنے والوں کو ادنیٰ نوکروں سے بھی بدتر نہیں بنا دیا جائے گا۔ قرآن کریم یہی بتاتا ہے کہ تم پر ظلم کرنے والوں کو جب تک ذلیل ترین وجودوں کی شکل میں اور تم کو معزز ترین صورت میں پیش نہ کیا جائے، قیامت قائم نہیں ہوگی۔ بے شک تم مر چکے ہوگے بلکہ تم میں سے بعض کی نسلیں بھی باقی نہ ہوں گی مگر نیک نامی کے مقابلہ میں نسلیں چیز ہی کیا ہیں۔

آج یہ بحث ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اولاد تھی یا نہیں۔ لیکن کیا ان کی اولاد

نہ ہونے سے یا اگر تھی تو معلوم نہ ہونے سے ان کی عزت کو کوئی نقصان پہنچا ہے؟ ان کی زندگی میں روم کے بادشاہ کو شاید ان کا علم بھی نہ ہو مگر آج روم کی ہی حکومت نہیں بلکہ ویسی ہی بیسیوں اور حکومتیں ان کی روحانی بادشاہت کے ماتحت ہیں۔ اٹلی، جرمنی، فرانس، سپین، آسٹریا، ہنگری، پولینڈ، رومانیہ، بلغاریہ اور چیکوسلوا کیہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی رعایا ہیں۔ اُس زمانہ میں رومی سلطنت کا ایک چپڑاسی بھی آکر کہتا کہ چلئے آپ کو بُلاتے ہیں تو آپ کی مجال نہ ہوسکتی تھی کہ انکار کریں۔ اُس وقت آپ کے مخالف آپ کو دکھ دینے کیلئے مشہور کیا کرتے تھے کہ آپ حکومت کے دشمن ہیں اور خود بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل ہمارے مخالف ہمارے خلاف شور کرتے ہیں۔ ایک دفعہ اس سلسلہ میں آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا قیصر روم کو ٹیکس دینا جائز ہے؟ اس سوال سے غرض یہ تھی کہ اگر تو آپ کہیں گے کہ ٹیکس دینا جائز ہے تو یہودی کہہ سکیں گے کہ یہ شخص یہودیوں کا بادشاہ کس طرح ہوسکتا ہے جو روم کو ٹیکس دینا جائز قرار دیتا ہے اور اگر کہیں گے کہ ٹیکس مت دو تو حکومت کا باغی قرار پائیں گے۔ آپ نے اِس سوال کا جواب ایک اور سوال سے دیا کہ روم کے سپاہی آپ لوگوں سے کیا مانگتے ہیں؟ اس کے جواب میں سوال کرنے والوں نے کہا کہ روپیہ مانگتے ہیں۔ اس پر آپ نے کہا کہ روپیہ پر کس کی تصویر ہے؟ سوال کرنے والوں نے کہا کہ روم کے بادشاہ کی۔ اِس پر آپ نے فرمایا کہ جو چیز قیصر کی ہے وہ اُسے دو اور جو خدا کی ہے وہ خدا کو۔ [۲] اِس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے فقط دین مانگتا ہوں ٹیکس بادشاہ کا حق ہے وہ اسے دو۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ جو چیز انگریز کی ہے وہ اسے دو۔ انگریز ٹیکس مانگتا ہے جو اسے دینا چاہیئے مگر ہم دل مانگتے ہیں۔ انگریز دل نہیں مانگتا اور مانگ بھی نہیں سکتا۔ جو تلوار روپیہ لیتی ہے وہ اس کے پاس ہے اور جو دل لیتی ہے وہ ہمارے پاس ہے۔

پس میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ حزبُ اللہ بنو پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہیں کامیاب کرتی ہے۔ اب بھی تمہیں اس کی نصرت حاصل ہے مگر پھر خصوصی اور فردی نصرت حاصل ہوگی۔ آجکل کی نصرت کی مثال تو ویسی ہی ہے جیسے کسی کے گھر کو آگ لگے تو لوگ اُس کا سامان اُٹھا اُٹھا کر باہر نکالتے ہیں، عزت تو اس کی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس کے نوکر کا سامان بھی باہر اُٹھا لاتے ہیں۔ محلّہ کے لوگ بھی پہنچ جاتے ہیں، فائر بریگیڈ بھی، پولیس بھی۔ فرض کرو

مکان کسی گورنر یا ڈپٹی کمشنر کا ہو تو جس جوش سے لوگ اُس کا سامان نکالتے ہیں اُس جوش سے اگر اُس کے نوکر کے گھر میں آگ لگے تو کبھی نہ نکالیں گے۔ لیکن اُسی نوکر کا سامان جب آقا کے سامان کے ساتھ ملا ہؤا ہوتا ہے تو اس کو بھی احتیاط سے نکال لیا جاتا ہے لیکن یہ نکالنا طفیلی ہوتا ہے۔ اسی طرح اب بھی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد تو کرتا ہے مگر یہ مدد طفیلی ہے لیکن اگر تم حزبُ اللہ میں داخل ہو جاؤ تو پھر تمہیں ذاتی نصرت بھی حاصل ہوگی اور طفیلی بھی۔ اِس وقت تمہاری نصرت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ سمجھتا ہے کہ اس کی ذلت سے سلسلہ کی ذلت ہوگی مگر حزبُ اللہ میں داخل ہونے کے بعد اس لئے بھی نصرت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کہے گا اِس کی ذلت سے میری ذلّت ہوگی۔ اگر یہ بدنام ہؤا تو چونکہ یہ میرا دوست ہے اس لئے مجھ پر الزام آئے گا کہ میں نے دوست سے وفاداری نہیں کی۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں کتنا عظیم الشان نشان دکھایا ہے۔ گوتم نے اُس زمانہ کو نہیں پایا مگر ہم نے اسے پایا اور دیکھا ہے۔ پس اِس قدر قریب زمانہ کے نشانات کو اپنے خیال کی آنکھوں سے دیکھنا تمہارے لئے کوئی زیادہ مشکل نہیں اَور نشانات جانے دو مسجد مبارک کو ہی دیکھو۔ مسجد مبارک میں ایک ستون مغرب سے مشرق کی طرف کھڑا ہے۔ اس کے شمال میں جو حصہ مسجد کا ہے یہ اس زمانہ کی مسجد تھی اور اُس میں نماز کے وقت کبھی ایک اور کبھی دو سطریں ہوتی تھیں۔ اس ٹکڑہ میں تین دیواریں ہوتی تھیں۔ ایک تو دو کھڑکیوں والی جگہ میں جہاں آجکل پہریدار کھڑا ہوتا ہے اس حصہ میں امام کھڑا ہؤا کرتا تھا۔ پھر جہاں اب ستون ہے وہاں ایک اور دیوار تھی اور ایک دروازہ تھا۔ اس حصہ میں صرف دو قطاریں نمازیوں کی کھڑی ہو سکتی تھیں اور فی قطار غالباً پانچ سات آدمی کھڑے ہو سکتے تھے۔ اُس حصہ میں اس وقت کبھی ایک قطار نمازیوں کی ہوتی تھی اور کبھی دو ہوتی تھیں۔ مجھے یاد ہے اس حصہٗ مسجد سے نمازی بڑھے اور آخری یعنی تیسرے حصہ میں نمازی کھڑے ہوئے تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ گویا جب پندرھواں یا سولھواں نمازی آیا تو ہم حیران ہو کر کہنے لگے کہ اب تو بہت لوگ نماز میں آتے ہیں۔ تم نے غالباً غور کر کے وہ جگہ نہیں دیکھی ہوگی مگر وہ ابھی تک موجود ہے، جاؤ اور دیکھو۔ صحابہ کا طریق تھا کہ وہ پرانی باتوں کو کبھی کبھی عملی رنگ میں

قائم کر کے بھی دیکھا کرتے تھے اس لئے تم بھی جا کر دیکھو۔ اُس حصہ کو الگ کر دو جہاں امام کھڑا ہوتا تھا اور پھر وہاں فرضی دیواریں قائم کر و اور پھر جو باقی جگہ بچے اس میں جو سطریں ہوں گی اُن کا تصور کر و اور اس میں تیسری سطر قائم ہونے پر ہمیں جو حیرت ہوئی کہ کتنی بڑی کامیابی ہے اُس کا قیاس کر و اور پھر سوچو کہ خدا تعالیٰ کے فضل جب نازل ہوں تو کیا سے کیا کر دیتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ہمارا ایک کچا کوٹھا ہوتا تھا اور بچپن میں کبھی کھیلنے کیلئے ہم اُس پر چڑھ جایا کرتے تھے۔ اُس پر چڑھنے کیلئے جن سیڑھیوں پر ہمیں چڑھنا پڑتا تھا وہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکان کے پاس سے چڑھتی تھیں۔ اُس وقت ہماری تائی صاحبہ جو بعد میں آ کر احمدی بھی ہوگئیں، مجھے دیکھ کر کہا کرتی تھیں کہ ’’جیہو جیا کاں اوہو جئی کوکو‘‘۔ میں بوجہ اس کے کہ میری والدہ ہندوستانی ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ بچپن میں زیادہ علم نہیں ہوتا، اس پنجابی فقرہ کے معنے نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جیسا کوّا ہوتا ہے ویسے ہی اس کے بچے ہوتے ہیں۔ کوّے سے مراد (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) تمہارے ابّا ہیں اور کوکو سے مراد تم ہو۔ مگر پھر میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے کہ وہی تائی صاحبہ اگر میں کبھی ان کے ہاں جاتا تو بہت عزت سے پیش آتیں۔ میرے لئے گدّا بچھاتیں اور احترام سے بٹھاتیں اور ادب سے متوجہ ہوتیں۔ اور اگر میں کہتا کہ آپ کمزور ہیں، ضعیف ہیں ہلیں نہیں یا کوئی تکلّف نہ کریں تو وہ کہتیں کہ آپ تو میرے پِیر ہیں۔ گویا وہ زمانہ بھی دیکھا جب میں ’’کوکو‘‘ تھا اور وہ بھی جب میں پِیر بنا۔ اور اِن ساری چیزوں کو دیکھ کر تم سمجھ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ جب دنیا کو بدلنا چاہتا ہے تو کس طرح دل بدل دیتا ہے۔

پس ان انسانوں کو دیکھو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا کرو کہ جو تمہیں خدا تعالیٰ کا محبوب بنا دے اور تم حزبُ اللہ میں داخل ہو جاؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہید میں ہی زیادہ وقت صَرف ہوگیا اور ابھی گھنٹی نے بتایا ہے کہ ساڑھے تین بج چکے ہیں۔ پس چونکہ تھوڑی دیر میں ہی عصر کا وقت ہو جائے گا اس لئے میں مضمون کو ختم نہیں کر سکتا۔ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلے جمعہ میں اسے ختم کر دوں گا لیکن اِس وقت پھر اختصار سے جماعت کے

نوجوانوں کوخواہ وہ قادیان کے ہوں یا باہر کے توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں میں ایک عزم اور ارادہ لے کر کھڑے ہوں کہ ہم نے خدا تعالیٰ کو حاصل کرنا ہے اور اِس طرز پر اپنی زندگیاں گزاریں کہ ان کا وجود ہی خدا تعالیٰ کا نشان بن جائے۔ یہ نہ ہو کہ صرف ان کی زبانیں نشانات بیان کریں بلکہ ایسا ہو کہ ان کے جسم بھی خدا تعالیٰ کا نشان بن جائیں اور یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کیلئے بھی اپنے فضلوں کے دروازے ویسے ہی کُھلے رکھے ہیں جیسے ان سے پہلوں کیلئے کھولے گئے تھے۔'' (الفضل ۱۳؍اپریل ۱۹۳۸ء)

۱؎ بخاری کتاب الدعوات باب قول اللہ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی وَصَلِّ عَلَیْھِمْ

۲؎ اسد الغابۃ جلد ۱ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۴ء

۳؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ براءۃ باب قَوْلِہٖ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ (الخ)

۴؎ کرامات الصادقین صفحہ ۴۴۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۸۶

۵؎ تذکرہ صفحہ ۱۷۴۔ ایڈیشن چہارم

۶؎ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (الشعراء: ۲۸)

۷؎ متی باب ۲۲ آیت ۲۱ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء